ڈاکٹر شاہد اقبال کامران
پروفیسر و صدر شعبہ اقبالیات،
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ، اسلام آباد

جدید سندھ کی ذہنی تشکیل میں مرزا قلیچ بیگ کا حصہ

Dr Shahid Iqbal Kamran

Professor, Head Department of Iqbal Studies,

Allama Iqbal Open University, Islamabad

The Role of Mirza Qalich Baig towards Intellectual Reconstruction of Modern Sindh

Mirza Kalich Beg (1853-1929) was the great genius of the modern history of Sindhi language and literature. He had a great role towards intellectual reconstruction of modern Sindh,after English occupation. He had a notable proficiency and excellent command on several languages like Turkish, Persian, Arabic, English, Hindi and sindhi. He was a popular poet and also a trendsetter critic of Sindhi poetry. But his real contribution was in the field of prose. He gave new literary trends and mind sets to the sindhi prose writing. He was a novelist, drama writer, essay writer and what not in the intellectual life of sindh. He translated a large number of prose works of English into the Sindhi language. He wrote about 457 books; Most of them were in Sindhi and also in English, Urdu and Persian. His major contribution was to make over five thousand years old Sindhi characters modern using his intellectual leadership.

مطالعات وتحقیقِ اقبال کا ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی

کے نصف اول کا عصری ماحول میری توجہ اور دلچسپی کا خصوصی عنوان رہا ہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی، جب کہ میں غلام برصغیر میں مسلمانوں کے لیے دستوری حقوق کی جدوجہد میں مصروف اقبال کی اس مساعی کے احوال کا مطالعہ کرتا ہوں جو انہوں نے برصغیر کے شمال مغربی حصے کے روشن چہرے سندھ کے دستوری حقوق اور خصوصیت کے ساتھ بمبئی سے غیر مشروط علیحدگی (۱) کے بارے میں کی، تو اس خطہ ارضی کے لیے، کہ جس پر اب پاکستان مشتمل ہے، سندھ کی جغرافیائی اہمیت، سیاسی، سماجی اور مذہبی وقعت اور ذہنی ثروت کا احساس دوچند ہو جاتا ہے۔

سندھ کے حوالے سے اقبال کے تفکر اور سیاسی موقف کی تین بڑی جہات رہی ہیں۔ اوّل یہ کہ سندھ کو فی الفور احاطہ بمبئی کی ماتحتی سے نکال کر ایک مکمل صوبے کا درجہ دے دیا جائے۔ اقبال ایسی کسی دستوری تجویز کی حمایت نہیں کرتے جو سندھ کے حوالے سے مسلمانانِ برصغیر کے موقف کی ترجمان نہ ہو۔ اقبال سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کی حمایت کرنے والے چند زعماء میں سے ایک تھے۔ لیکن جب سائمن کمیشن رپورٹ میں سندھ کی احاطہ بمبئی سے علیحدگی کو نظرانداز کیا گیا تو انہوں نے اپنے ایک بیان میں سائمن کمیشن رپورٹ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ

> رپورٹ کی سفارشات کی تہہ میں جو پالیسی کارفرما ہے، اس کا مطلب ہمارے نزدیک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کے اہم مطالبات کو ٹھکرا کر انتہا پسند ہندوؤں کو خوش کرنا مقصود ہے۔ (۲)

اسی بیان میں انہوں نے کہا کہ

> سندھ کی علیحدگی کے مسئلے سے عملی طور پر بے پروائی کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت تک چین سے بیٹھنے نہ دے گا، جب تک نئے دستور کے نفاذ سے قبل اس کا کوئی اطمینان بخش تصفیہ نہیں ہو جاتا۔ (۳)

اور پھر 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد میں اقبال نے دوٹوک انداز میں مطالبہ کیا تھا کہ

> احاطہ بمبئی اور سندھ میں کوئی چیز بھی تو مشترک نہیں۔ ارکان کمیشن کو بھی اعتراف ہے کہ اہل سندھ کی زندگی اور ان کا تمدن عراق اور عرب سے مشابہ ہے، نہ کہ ہندوستان سے، مشہور اسلامی جغرافیہ دان مسعودی نے آج سے بہت پہلے عرب اور سندھ کی اس باہمی مشابہت کی طرف اشارہ کر دیا تھا، مسعودی نے لکھا ہے کہ سندھ وہ ملک ہے جو مملکتِ اسلامی سے قریب تر ہے، سب سے پہلے اموی خلفیہ کا قول تھا کہ مصر کی پشت افریقہ کی جانب ہے اور منہ عرب کی جانب، مناسب ردوبدل کے ساتھ یہی کچھ سندھ کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ سندھ کی پیٹھ ہندوستان کی طرف ہے اور منہ وسط ایشیا کی جانب۔۔۔۔ (۴)

سندھ کے بارے میں اقبال کے سیاسی تفکر کی دوسری بڑی جہت سندھ کے زرعی اور تجارتی مفادات اور امکانات کا تحفظ تھا۔ اسی خطبہ الٰہ آباد میں اقبال متوجہ کرتے ہیں کہ

> ۔۔۔اگر سندھ کے ان زرعی مسائل جن سے حکومت بمبئی کو مطلق ہمدردی نہیں اور اس کی بےشمار تجارتی صلاحیتوں کے لحاظ رکھ لیا جائے، اس لیے کہ کراچی بڑھتے بڑھتے ایک روز لازماً ہندوستان کا دوسرا دارالسطنت بن جائے گا، تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کو احاطہ بمبئی سے ملحق رکھنا مصلحت اندیشی سے کس قدر دور ہے۔ (۵)

سندھ سے متعلق اقبال کے سیاسی اور علمی تفکر کی تیسری جہت کا عنوان، وسط ایشیا کے ساتھ سندھ کا جغرافیائی، تہذیبی، مذہبی، لسانی اور ذہنی رشتہ ہے۔

سندھ کے بارے میں اقبال کے موقف کی پہلی دو جہتوں کا تعلق بیسویں صدی کے اوائل کے خاص سیاسی ماحول کے ساتھ رہا۔ لیکن سندھ کا ایشیائی کردار، نیز تہذیبی، مذہبی، لسانی، ادبی اور ذہنی تموّل کہ جس طرف اقبال متوجہ رہے، آج اپنی

عصری معنویت کے اعتبار سے ہم پاکستانیوں کا عزیز ترین سرمایہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ جدید سندھ کے اس ایشیائی کردار یعنی خاص طرح کے تہذیبی، مذہبی، لسانی، ادبی مزاج کی تشکیل میں سندھ کے نامور فرزند مرزا قلیچ بیگ نے نہایت بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ حسن اتفاق ہے کہ مرزا قلیچ بیگ کے اجداد وسط ایشیا کے علاقے گرُجِستان (Gorjestan) جسے اہل یورپ جارجیا کہتے ہیں سے ہجرت کرکے ایران سے ہوتے ہوئے سندھ آئے تھے۔سندھ میں ان کا میزبان شہر یہی حیدرآباد تھا۔ یہ ایک نہایت مہذّب اور تعلیم یافتہ گھرانہ تھا۔مرزا قلیچ بیگ کے نانا مرزا خسرو بیگ اور والد محترم مرزا فریدون بیگ کی اس ہجرت نے گویا صوفی سندھ کے دامن کو وسط ایشیا کی جفاکشی، تفصیل پسندی، تاریخ فہمی، مذہب کے انسانی پہلو کی طرف توجہ اور عمل پسندی سے بھر دیا۔(۶) مرزا قلیچ بیگ کی سندھ کے لیے خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔وہ ایک کثیر اللسانی دانشور تھے وہ فارسی، عربی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، اردو اور سندھی زبانوں میں تقریر و تحریر کی قدرت رکھتے تھے۔(۷) لیکن میرا قیاس یہ ہے کہ وہ ان جملہ زبانوں میں مہارت اور ابلاغ کی قدرت رکھنے کے باوجود سوچتے صرف سندھی زبان میں تھے۔سندھی زبان پر، میرے نزدیک مرزا قلیچ بیگ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اس زبان کے روایتی مزاج کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ برصغیر کی دیگر زبانوں کی طرح سندھی بھی اساسی طور پر شعر کی زبان تھی، عمومی طور پر سندھی ادب کا خزانہ شعر کے پیرائے میں محفوظ تھا۔ یہ مرزا قلیچ بیگ ہی تھے جنہوں نے اس زبان کو شعر کی محدودات سے نکال کر نثر کی تفصیل پسندی، استدلال اور تسلسل سے روشناس کرایا۔مظہر جمیل اپنی تالیف جدید سندھی ادب میں لکھتے ہیں کہ :

> ''بے شک مرزا قلیچ بیگ سندھی نثر نگاری کے مردِ اوّل تھے اور جدید سندھی ادب کا ان کی شخصیت اور کارکردگی کے بغیر کوئی بہتر تصور قائم نہیں کیا جاسکتا۔(۸)

مرزا قلیچ بیگ باکمال شاعر بھی تھے۔مظہر جمیل 'جدید سندھی ادب' میں مرزا قلیچ بیگ کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

> ''مرزا قلیچ بیگ خوش کلام شاعر بھی تھے اور انہوں نے اپنے راہنمایانہ کردار اور شاعرانہ صلاحیت سے کام لیتے ہوئے جدید سندھی شاعری کے رخ متعین کر دیے اور اس میں صحت مندانہ تبدیلی کی روح پھونک دی تھی۔انہوں نے سندھی شاعری میں نہایت پروقار ورثہ چھوڑا ہے اور سندھی شاعری کو عمر خیام کی رباعیات کا تحفہ پیش کیا ہے۔(۹)

مرزا قلیچ بیگ کا سندھی شاعری پر سب سے بڑا احسان اسے جدید مغربی پیرائے اور رجحان سے متعارف کرانا ہے۔ان کا ذخیرہ شعر مقدار اور معیار دونوں اعتبار سے بے نظیر ہے۔لیکن مرزا کا اصل میدان سندھی زبان کے مزاج کی تعمیر نو، مدلل نثر نگاری اور سندھی ذہن کی تشکیل جدید ہے اور اس میدان میں اکیلے مرزا قلیچ بیگ نے سندھی زبان کے مزاج، آہنگ اور اسلوب کو تبدیل کرنے میں وہ کردار ادا کیا جو اردو زبان و ادب کے حوالے سے سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا نے مل کر کرنے کی کوشش کی۔ یوں مرزا قلیچ بیگ اپنی حدود کے اندر سرسید احمد خان بھی تھے اور ڈپٹی نذیر احمد بھی، وہ الطاف حسین حالی بھی تھے اور شبلی نعمانی اور محمد حسین آزاد بھی، کہیں کہیں وہ مولوی چراغ علی اور محسن الملک کی طرح بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں مگر ایک فرق، جو نہایت نمایاں رہا وہ یہ ہے کہ سرسید احمد خان اور ان کے رفقا کی فقید المثال مساعی کے باوجود اردو زبان مزاج، کردار اور آہنگ کے اعتبار سے شاعری کی زبان ہی رہی، لیکن دوسری طرف مرزا قلیچ بیگ نے مزاج، کردار اور آہنگ کے اعتبار سے خالص شعر کی زبان سندھی کو نثر کی زبان بنا دیا۔مرزا قلیچ بیگ کا یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کے اثرات سندھی دانش پر نہایت دوررس اور دیرپا ثابت ہوئے اور انہی دیرپا اور دوررس اثرات کی بنا پر ڈاکٹر غلام علی الانا مرزا کو بابائے سندھی نثر قرار دیتے ہیں۔(۱۰) سندھی کا کلاسیکی ادب شاعری کے نہایت ارفع خزانوں سے معمور ہے، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اب جدید سندھی ادب کی پہچان افسانے، ناول، مضامین، ڈرامے، سوانح اور علمی مقالہ نگاری ہے۔سندھی نثر کی یہ ثروت خیزی اس امر کی طرف

اشارہ کرتی ہے کہ سندھی دانشور اور ادیب ماورائی ارو مابعد الطبیعیاتی فضا کی بجائے ارضی سچائی اور زمینی حقائق سے متاثر ہونا سیکھ گیا ہے۔ اب وہ خواب وخیال کا نہیں، حقیقت حال کا ابلاغ کرنے میں سہولت محسوس کرتا ہے۔ سندھی دانشور اور دانش جو طبقے کی حقیقت شناسی کا بنیادی سبب مرزا قلیچ بیگ کی وہ مساعی ہے جس نے محسوس اور غیر محسوس طریقے سے سندھی زبان کی ابلاغیات کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ جس طرح شاہ عبداللطیف نے اپنی شاعری میں سندھ کی ہزاروں سال پر محیط حکمت و دانش کو نظم کیا تھا، اس طرح مرزا قلیچ بیگ نے سندھی زبان کو عصری تقاضوں سے اس طور پر ہم آہنگ کیا کہ اسے عمدہ، مدلل اور ہر طرح کا مضمون ادا کرنے والی نثری زبان بنا دیا۔ لسانی رجحان سازی کا یہ عظیم کام' کتابیں تیار کرنے والی مشین' نے تن تنہا انجام دیا۔ (۱۱) اس ضمن میں، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا قلیچ بیگ نے شاہ لطیف شناسی کو بھی اپنی نہایت متنوع اور کثیر الجہات توجہ کا عنوان بنایا۔ شاہ لطیف کے سندھی ڈکشن میں اٹھارہویں صدی کی پنجابی، سرائیکی، راجستانی، اردو، ہندی، بروہی، لاڑی، اور کچھی زبانوں کے الفاظ بڑی تعداد میں شامل ہیں اور اسی لیے شاہ کے کلام کی محبوبیت اور مقبولیت اور پسندیدگی کے باوجود ایک عام سندھی کے لیے شاہ کے کلام کو سمجھنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں مرزا قلیچ بیگ نے لغاتِ لطیفی، مرتب کر کے ایک بڑی بنیادی خدمت سرانجام دی، اس لغت میں شاہ لطیف کے کلام کے، عمومی طور پر مشکل خیال کیے جانے والے الفاظ اور ان کے معانی مرتب انداز میں پیش کیے گئے۔

کسی بھی زبان میں تازہ خیالات، جدا اسلوب اور عمدہ استدلال دیگر زبانوں کے تراجم کی وساطت سے آتا ہے۔ مرزا نے اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے حکمائے انگلستان کی تحریروں کی دانش اور مزاج کو سندھی میں منتقل کرنے کا عظیم کام سرانجام دیا۔ اس ضمن میں مرزا نے انچاس (49) انگریزی کتب کے تراجم سندھی زبان میں کیے۔

مرزا قلیچ بیگ کے تراجم کے انداز و اسلوب کے بارے میں نصیر مرزا لکھتے ہیں کہ:

> نثر کے اس بحرِ بےکراں نے جتنا طبع زاد کام کیا ہے۔ تقریباً اتنا ہی دیگر زبانوں کے سندھی تراجم کی صورت میں انجام دیا۔ ان کے تراجم کی گوناں گوں نثری خوبیوں کے باعث آپ کے ان تراجم کو تراجم کی بجائے طبع زاد کہنے میں حق بجانب ہوں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے غیر ملکی ادب کا صرف لفظی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اس زبان کے اعلیٰ ترین خیالات کو سندھی زبان وادب کا حصہ بنایا اور آپ کے اس عمل کو اس طرح دیکھنا چاہیے جیسے شہد کی مکھی مختلف اقسام کے پھولوں کا رس کشید کر کے خوش ذائقہ اور صحت بخش شہد کے روپ میں جو چیز ہمیں دیتی ہے وہ صرف اور صرف اس کی اپنی تخلیق ہوتی ہے۔ (۱۲)

اسی تسلسل میں مرزا نے مذہب، فلسفہ اور دیگر موضوعات پر سندھی زبان میں جو کتب تحریر کیں ان کی تعداد اٹھاسی (88) کے قریب ہے۔ انگریزی زبان میں مرزا کی مستقل کتب کی تعداد اکتالیس (41) شمار کی گئی ہے۔ مرزا قلیچ بیگ نے سندھی زبان میں بیس کے قریب ڈرامے بھی تحریر کیے۔ ناول بھی مرزا کے مقصد سے ہم آہنگ صنعف ادب تھی، سو مرزا نے اس طرف بھی بھرپور توجہ دی اور متعدد ناول ان سے یادگار ہیں۔ ان ناولوں میں طبع زاد ناول بھی ہیں اور تراجم بھی۔ نصیر مرزا نے ناولوں کے تراجم کے حوالے سے ایک دلچسپ بات لکھی ہے اس بات سے مرزا قلیچ بیگ کے حقیقی مطمع نظر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ نصیر مرزا لکھتے ہیں کہ

> مرزا قلیچ بیگ نے ہر ملک کے لیے اور روشن خیال ادب کے اعلیٰ خیالات کو سندھی میں روشناس کرایا۔ خاص طور پر ناولوں میں آپ نے زیادہ تر امریکی ناولوں کے تراجم کو ترجیح دی۔ شاید اس لیے کہ اس وقت کے امریکی ناولوں میں نئے ملک اور نئے سماج کی تعمیر کا ذکر ہے اور ان میں معاشرہ کی اصلاح اور تعمیر کا جو پیغام ہے، اس وقت کے سندھ کو اس کی اشد ضرورت تھی۔ سندھ اس زمانے میں انگریزوں کے قبضے میں تھا اور اس وقت یہاں ایک نیا سماج

پروان چڑھ رہا تھا جن میں اسکول، کالج اور ہسپتال، لوکل باڈی انتخابات اور کسی حد تک جمہوریت کو رواج دینے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ گویا کہ سندھ میں بھی وہی سب باتیں پیدا ہو رہی تھیں جیسی کہ امریکی افسانہ نگار اور ناول نویس ملک کی تعمیر کے لیے اپنی تحریروں میں پیش کر رہے تھے۔ (۱۳)

امریکی ناولوں کے تراجم کے حوالے سے نصیر مرزا کا تاثر درست معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ مرزا سندھ میں ایک بدلتے ہوئے معاشرتی ماحول کی تفصیلات کو از سر نو طے کرنے کی شعوری کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ مرزا انگریز استعمار کی اصلاحات اور ترقی کی حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھے وہ جانتے تھے کہ سندھی معاشرے اور سندھی اقدار کے سامنے ایک نئی طرح کی جنگ ہے جس میں جیتنے کے لیے ہتھیار بھی جدا نوعیت کے ہونے چاہئیں۔ اور وہ جدا نوعیت یہ تھی کہ جدید سندھ اپنے خیال، ابلاغ اور ترسیل کو نئے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر لے۔ مرزا قلیچ بیگ سندھ کی اجتماعی دانش کو دنیا جہان کے تجربے اور مشاہدے اور اس کے معروضی تجزیے کی دولت سے مالا مال کرتے ہوئے حالات کا سامنا کرنے والی نسل کی تربیت کرنا چاہیے تھے۔

وہ شاعر بھی تھے اور بچوں کے ادیب بھی۔ بچوں کے لیے ادب تخلیق کرنا ہمیشہ مشکل خیال کیا جاتا رہا ہے، وجہ شاید یہ ہو کہ ہم لوگ بچوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی ہمت یا سکت نہیں رکھتے۔ ہم شاید ماضی پرست لوگ ہیں اور مستقبل کی ہر صورت ہمیں خائف کر دیتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ بچے کسی بھی معاشرے کا مستقبل ہوتے ہیں مرزا نے سندھی میں بچوں کے ادب کی ایک مضبوط بنیاد تعمیر کی۔ نظم و نثر میں بچوں کے لیے مرزا کی کتب کی تعداد سترہ (17) ہے۔ فارسی اور ترکی مرزا کی آبائی زبانیں تھیں۔ مرزا کے عہد میں سندھ میں فارسی مستند علمی زبان کا درجہ رکھتی تھی، مرزا نے فارسی میں بھی لکھا اور 22 کتب ان کی فارسی میں یادگار ہیں۔ مرزا کے علمی کارناموں کی طرف یہ محض چند اشارے ہیں۔ مرزا کی خدمات اور سندھی زبان و ادب میں مرزا کے کردار اور حصے کا اعتراف سب سے احسن طریقے سے شیخ ایاز نے ابراہیم جویو کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ گویا سندھی ادب کی عظیم شخصیت کی طرف سے مرزا کے حضور خراج عقیدت بھی ہے۔ اور امر واقعہ کا اظہار بھی۔ شیخ ایاز لکھتے ہیں کہ

> میں صرف ایک سندھی اسکالر کی عزت کرتا ہوں اور وہ ہیں مرزا قلیچ بیگ۔۔۔۔ اس کے وسیع ذوق نے اس کو اپنے دور کے گوناں گوں ادب سے روشناس کرایا۔ قلیچ بیگ ہمارے ادبی ذوق اور انقلاب کا بانی تھا۔۔۔۔ اس کی تصنیفات نے میرے ذہن کو سرخ چادر میں لپیٹ کر اس کے چاروں طرف رنگین تتلیاں اڑا دی ہیں۔ شاہ لطیف کے بعد قلیچ بیگ سندھ کی عظیم ترین ادبی شخصیت ہیں۔ (۱۴)

شیخ ایاز شناس ماہرین جانتے ہیں کہ شیخ کے نزدیک تنقید اور تحسین کا معیار کسی قدر کڑا تھا۔ شیخ ایاز خود ایک نابغہ روزگار دانشور اور ادیب تھے، ان کی اس قدر والہانہ توصیف کا مطلب صرف یہ ہے کہ سندھی زبان و ادب کی ترقی، ترویج اور توسیع کے لیے مرزا قلیچ بیگ کی خدمات کا دائرہ وسیع اور حد درجہ متنوع ہے۔

سندھ اور سندھی زبان مرزا کے دو بڑے عشق تھے۔ مرزا قلیچ بیگ جیتے جی مصروف تو بہت رہے لیکن انہوں نے تنگ آ کر اپنے دونوں عشق ادھورے چھوڑنے کا کبھی نہ سوچا، جدید سندھ کی ذہنی فضا کو وقت کے تیزی سے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا مرزا کا نہایت وقیع اور یادگار کارنامہ ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے تھوڑی تفصیل میں جانا پڑے گا۔ مرزا قلیچ بیگ کا خاندان تالپور حکمرانوں سے وابستہ تھا۔ 1843ء میں انگریزوں نے تالپوروں کو عسکری شکست دے کر سندھ پر قبضہ کر لیا۔ میانی فارسٹ کی لڑائی میں انگریزوں کی فتح نے جہاں ایک طرف سندھ کو شخصی حکمرانی کے طویل دور سے نجات دلائی وہیں۔ اہلیان سندھ کو ایک نئے استعمار اور ایک جدا انداز حکمرانی سے روشناس بھی کرایا۔ لیکن اس سے بھی اہم تر بات یہ تھی کہ خود

انگریزوں کے لیے فتح سندھ کا مطلب برصغیر کے ایک اور اہم خطے پر محض تصرف ہی نہیں تھا، فتح سندھ کا مطلب ایک عظیم تہذیب اور ثروت خیز تاریخ کے حامل ایسے لوگوں کی سرزمین پر قبضہ تھا جو ضبط، برداشت تحمل اور پھر ردعمل کا حیرت انگیز سلیقہ اپنے اندر رکھتے تھے۔ انگریزی قبضے کے بعد سندھ چند برس تک گورنر کے ماتحت رہا (1843-1847ء) اس کے بعد سندھ کی انتظامی حیثیت کم کر کے صوبہ بمبئی کے ساتھ الحاق کر دیا گیا۔ اب سندھ کا سربراہ گورنر نہیں، ایک کمشنر تھا۔ اور یہ کمشنر انگریز استعمار کی ہمہ جہت حکمت عملی کے تحت سندھ کی مخصوص ترقی کی طرف متوجہ رہا۔ ''مخصوص ترقی'' سے مراد کسی مقبوضہ علاقے میں کی جانے والی وہ ترقی ہے جو استعمار کے وجود، بقا اور تسلط کے لیے ضروری اور معاون ہو۔ (15) مرزا قلیچ بیگ سندھ پر انگریزوں کے قبضے کے گیارہ برس بعد پیدا ہوئے گویا یہ وہ سندھ نہیں تھا جہاں مرزا کے نانا اور والد ہجرت کر کے آئے تھے، یہ ایک بدلا ہوا سندھ تھا۔ سندھ کے اس بدلے ہوئے مزاج کو اپنے عہد میں جس قدر واضح اور وسیع انداز میں مرزا قلیچ بیگ نے سمجھا وہ انہی کا حصہ ہے۔

اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی (1915ء) کے اردو دیباچے میں لکھا ہے کہ انگریز قوم کی حسِ واقعات، دیگر اقوام کی نسبت زیادہ تیز اور ترقی یافتہ ہے۔ (16) اور 'حسِ واقعات' کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال بتاتے ہیں کہ

> جس طرح رنگ و بو وغیرہ کے لیے مختص حواس ہیں اسی طرح انسانوں میں ایک اور حاسہ بھی ہے جس کو حسِ واقعات کہنا چاہیے۔ ہماری زندگی واقعات گرد و پیش کا مشاہدہ کرنے اور ان کے صحیح مفہوم کو سمجھ کر عمل پیرا ہونے پر منحصر ہے۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں، جو اس قوت سے کام لیتے ہیں جس کو میں نے حس واقعات کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۷)

مرزا قلیچ بیگ کی حسِ واقعات انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے سندھ کا حقیقی اثاثہ قرار دی جا سکتی ہے۔ جس سندھ میں مرزا نے آنکھیں کھولیں وہ فارسی اور تالپوروں کا سندھ نہیں، انگریزوں اور انگریزی کا سندھ تھا جس میں سندھی زبان کے رسم الخط اور حروف تہجی کے تعین کے بعد سندھی علمی، انتظامی اور ادبی زبان کے طور پر نہایت تیزی سے اپنا مقام بلند کر رہی تھی۔ سندھ میں بالکل الگ طرح کے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ معاشرتی اور سیاسی زندگی کے نئے شرائط نامے تیار ہو رہے تھے۔ اجتماعی زندگی کے کھیل کے جدا ضوابط تشکیل پا رہے تھے۔ درپیش صورت حال کی حقیقی غایت اور منشا کا اندازہ جس طور مرزا قلیچ بیگ نے قائم کیا وہ نہ صرف درست تھا بلکہ اپنے نتائج کے اعتبار سے سودمند بھی تھا۔ سندھی زبان کی ابلاغیات کو توسیع دینے کے کام میں ایک دلچسپی خود انگریزوں کی بھی تھی، وہ یوں کہ سندھی ذہن اور دانش تک براہ راست رسائی اور سندھی منشا اور آرزو سے آگاہی کے لیے سندھی زبان کے اسرار و رموز سے آشنائی خود انگریزوں کی فوری ضرورت تھی۔ سندھی زبان کے لیے حروف تہجی کی تعداد اور رسم الخط کا تعین اس سلسلے کی کڑی خیال کی جا سکتی ہے۔ اس سارے عمل میں مرزا قلیچ بیگ نے جو کام بھی کیے وہ سندھ اور سندھی زبان کے مفاد کے مطابق کیے۔ مرزا کے متنوع تراجم ہوں یا جدید اصناف نظم و نثر کی ترویج و ترقی کی کوشش، بچوں کے ادب کی طرف توجہ ہو یا خواتین کے لیے معاشرے میں زیادہ متحرک اور بامعانی کردار کے لیے کوشش، یہ سب کچھ ایک سندھی دانشور کی اس مزاحمت کے عنوانات خیال کیے جا سکتے ہیں، جس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ یہ جنگ لڑ کر جیتے گا اور یہ کہ وہ یہ لڑائی صرف اور صرف اپنے ذہن اور اپنی دانش سے لڑے گا، مرزا نے یہ لڑائی لڑی اور جیتی۔

سندھ پر انگریزی قبضہ وہاں کے جاری نظام، رواں معاشرے اور اقدار و روایات کے لیے ایک نہایت سخت واقعہ تھا۔ وہ جو مرزا غالب نے کہا تھا کہ

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

تو اہل سندھ کے لیے تاب لائے ہی بنی، لیکن اس طرح کہ جان بھی عزیز رہے اور یہ حکمت عملی مرزا قلیچ بیگ کی سب سے بڑی دین ہے سندھ کو۔ یہی حکمت عملی ہے جس کے تحت مرزا قلیچ بیگ نے شعوری طور پر سندھ کے نئے کردار کی تفصیلات کا ادراک حاصل کر لیا۔ ایک شکست کو دوسری فتح میں تبدیل کرنے کا ہنر مرزا کے خون میں شامل تھا۔ اس ہنر سے مرزا نے سندھی دانش پر انگریز کی غلامی کے صدمے کو حاوی ہونے سے محفوظ رکھا اور اسے الگ ایسی راہ پر لگا دیا جوئی، کامیاب اور بامراد زندگی کی نوید ثابت ہوئی۔ مرزا کی خدمات کے جتنے دائرے بھی ہیں وہ سب اسی محور سے متصل ہیں کہ بدلتے وقت اور رونما ہوتے واقعات میں سندھ اور اہل سندھ کو اپنا نیا کردار کس طرح تشکیل دینا چاہیے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مرزا قلیچ بیگ کی خدمات کا درجہ سر سید احمد خان اور راجہ رام موہن رائے کے قریب جا پہنچتا ہے۔

سندھ کا عمومی مزاج ہمیشہ سے نہایت معتدل رہا ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ آج تک مذہب کے حوالے سے سندھ کی سرزمین کسی شدت پسند تحریک اور تجویز کا عنوان نہیں بنی۔ مذہبیات سندھ کے انسانی پہلو سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ سندھ کے صلح کل اور مذہبی رواداری کے مزاج کی تشکیل میں اساسی طور پر صوفی شعراء کا کردار نہایت نمایاں رہا ہے لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اواخر سے برصغیر کی سیاسیات میں مذہبی طبقات کو بعض مخصوص مقاصد کے لیے متحرک کیا جا رہا تھا۔ ایسے ماحول میں جدید سندھ کا، جو برصغیر کا ایک انتہائی اہم حصہ تھا، عدم رواداری یا فرقہ وارانہ عدم مطابقت کا شکار ہو جانا بعید از قیاس نہیں تھا۔ برصغیر کی سیاست میں مذہبی طبقات کی پرشور شمولیت نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا تھا۔ ایسے میں سندھ کا کسی شدت کا شکار نہ ہونا ہماری سیاسی تاریخ کا ایک قابل ذکر اور اہم واقعہ ہے۔ مرزا قلیچ بیگ نے جس ادبی اور معاشرتی نصب العین کو فروغ دیا تھا اس میں مذہب کا بنائے فساد بننا ممکن نہ رہا تھا۔ مرزا قلیچ بیگ کے آباء تبدیلی مذہب کی اذیت دیکھ چکے تھے۔ اور اس کے ہمہ جہت نتائج سے بھی باخبر تھے۔ چونکہ یہ شرفاء گرجستان سے نکل کر ایران کے راستے سندھ تشریف لائے تھے تو ترکی زبان کے ساتھ فارسی زبان اور فارسی زبان کے ساتھ تشیع بھی ان کے ساتھ آیا۔ لیکن ان کی دینی حمیت ان کے معاشرتی نصب العین سے متصادم نہ ہونے پائی۔ اس وسیع المشربی، انسان دوستی اور مذہب کے انسانی پہلو کی طرف توجہ نے مرزا کی ادبی اور سماجی مساعی میں اپنی جھلک دکھائی۔ سندھی لوگ مذہبی ضرور ہیں لیکن جدید سندھی دانش پر مذہب ایک بوجھ بن کر سوار نہیں ہوا، ایک تقویت بن کر ساتھ دے رہا ہے۔ میں اس روش اور رجحان کے ذمہ داروں میں مرزا قلیچ بیگ کو بھی شمار کرتا ہوں اور اپنے اس تاثر پر اعتماد رکھتا ہوں کہ سندھ کبھی بھی مذہبی شدت پسندی کا شکار نہیں ہونے پائے گا۔

سندھ کے جہانِ دانش میں مرزا قلیچ بیگ وہ پہلے دانشور اور دانش جو ہیں جن کا رجحان اور افتادِ طبع تاریخی ہے، حال کے ادراک اور مستقبل کی صورت گری کے لیے تاریخی شعور کا پختہ تر ہونا شرط اوّل ہے۔ روایتی طور پر شاہ لطیف کے سندھ کی حکمت و دانش کی اساس عشق ہے اور مشرقی لوگوں کی طرح سندھی دانش کا آفاقی شعور غیر تاریخی، یہ شعور زمان اور اسی لیے مکان کی قید سے بھی ماورا تھا، اس شعور میں مرزا قلیچ بیگ کی تاریخ شناسی اور تاریخ فہمی نے شامل ہو کر وہ رنگ اختیار کیا جسے اب واقعتاً ہم سندھ کی حکمت کا حقیقی رنگ قرار دے سکتے ہیں۔ یہ حکمت و دانش جو سندھ سے مخصوص ہے، ایک طرف اپنے ماضی کے اعتبار سے زمان و مکان کی قید سے ماوراء تو دوسری طرف اپنے حال کے اعتبار سے ایسے رجحان سے متصف ہے جو زمان کی عملی کاری کا شدت سے احساس رکھتا ہو اور مکان پر زمان کے جبر کی صورتوں سے واقف و آگاہ ہو۔ تاریخ جو تعلیم دیتی ہے وہ سب کے لیے یکساں افادیت اور معنویت رکھتی ہے لیکن کتنے لوگ ہیں جو تاریخ کے سبق کو سمجھنے کی صلاحیت یا اہلیت رکھتے ہیں؟ تاریخ کا احساس ہونا بھی ہر قوم کے مزاج سے یکساں طور پر منسلک نہیں، ہاں مگر اقوام مغرب کی تاریخی اپج قابل ذکر اور قابل غور ہے۔ اقبال جب یہ کہتا ہے کہ

مغرب کے لوگوں کی ذہنی افتادتاریخی ہے ان کی زندگی اور ان کا وجود وقت میں پوشید ہے۔۔۔۔مغربی آدمی کے لیے ہر چیز کا ماضی، حال اور مستقبل ہوتا ہے۔ (۱۸)

تو لازمی طور پر ان کا اشارہ اس فرق کی طرف ہے جو ہم مشرقی لوگوں کے رجحان طبع اور مغربی لوگوں کی افتادطبع کے مابین موجود و متحرک ہے۔لیکن جب میں مرزا قلیچ بیگ کے دائرہ کار کی جہات کو دیکھتا ہوں اس کی معنویت پر غور کرتا ہوں اور ان نتائج کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں جنھوں نے سندھی زبان وادب کے اندرون اور سندھی معاشرے کے بیرون کو بدل کر رکھ دیا اور یوں سندھی ذہن کی تشکیل جدید کا اہم کارنامہ سرانجام دیا۔تو مرزا قلیچ بیگ مجھے طبعاً اور ذہناً ایک مغربی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔میری مراد یہ ہے کہ وہ اپنے رجحان اور اپنی افتادطبع کے اعتبار سے مغربی آدمی نظر آتے ہیں۔ذرا مرزا کے وقت کے ساتھ محاربے کا انداز دیکھیے کہ انہوں نے نہایت مصروف وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک ہی زندگی میں قریباً چار سو ستاون مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔(19) یہ تصانیف زبان وادب، معاشرت، مذہب، ثقافت، فلسفہ اور اخلاق ایسے متنوع موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں کچھ ایسی ہی شخصیات ہوتی ہیں جو اپنے لوگوں کو صدیوں کا فاصلہ سالوں میں طے کرا دیتی ہیں۔مرزا قلیچ بیگ نے پانچ ہزار سالہ قدیم سندھیوں کو اپنے مزاج، اپنے ادب اور اپنی زبان کے اعتبار سے جدید بنا دیا۔یقیناً جدید سندھ کی ذہنی تشکیل جدید میں مرزا کا حصہ انہیں سندھی دانش کا مرکزی کردار بنائے رکھے گا۔

حوالے / حواشی

۱۔ اقبال نے 21 مارچ 1932ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے خطبہ صدارت میں مسلمانان برصغیر کے مطالبات پر روشنی ڈالتے ہوئے نہایت صراحت کے ساتھ کہا تھا کہ

مسلمان کسی ایسے فرقہ وارانہ سمجھوتہ پر، خواہ وہ عارضی ہو یا مستقل، رضا مند نہیں ہو سکتے جو انہیں ایسے صوبوں میں جہاں وہ فی الواقعہ اکثریت میں ہیں، حق اکثریت نہیں دیتا۔۔۔۔پارلیمان سے ہندوستانی صوبوں کو طاقت کا انتقال، تمام وفاقی حصوں کی مساوات، موضوعات (subject) کی تقسیم وفاقی اور صوبائی طریقہ پر نہ کہ وفاقی، مرکزی اور صوبائی طریقہ پر، سندھ کی غیر مشروط علیحدگی، مرکز میں ایک تہائی حصہ کے حقوق بھی ہمارے مطالبات کی نہایت اہم شقیں ہیں۔

مشمولہ: حرف اقبال (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1984ء) ص58

۲۔ اقبال کا سائمن کمیشن رپورٹ کے متعلق بیان، روزنامہ انقلاب، اشاعت 26 جون 1930ء
مشمولہ: گفتار اقبال، مرتبہ محمد رفیق افضل (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، طبع سوم، 1986ء) ص108

۳۔ اقبال، 1930ء، گفتار اقبال، ص108

۴۔ اقبال، خطبہ الہ آباد، 1930ء مشمولہ: حرف اقبال (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1984ء) ص43

۵۔ اقبال، خطبہ الہ آباد، 1930ء، حرف اقبال، ص43

۶۔ اس خاندان کے گرجستانی پس منظر، ہجرت اور سندھ آمد اور قیام کے بارے میں اس خانوادے کی ایک دختر محترمہ مہر افروز مرزا حبیب کی کتاب: A Georgian Saga from the caucasus to the indus قابل مطالعہ

ہے۔ یہ کتاب اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے سال 2005ء میں کراچی سے شائع کی۔

۷۔ مظہر جمیل، سید، جدید سندھی ادب (کراچی: اکادمی بازیافت، اشاعت اوّل، 2004ء) ص 462

۸۔ جدید سندھی ادب، ص 468

۹۔ جدید سندھی ادب، ص 460

۱۰۔ جدید سندھی ادب، ص 575

۱۱۔ مرزا قلیچ بیگ کے دوست دیوان کوڑومل انہیں پیار سے کتابیں تیار کرنے والی مشین کہا کرتے تھے

۱۲۔ نصیر مرزا، مرزا قلیچ بیگ، شخصیت اور فن (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، 2006ء) ص 45

۱۳۔ نصیر مرزا، مرزا قلیچ بیگ، شخصیت اور فن ص 45

۱۴۔ شیخ ایاز بنام ابراہیم جویو خط محررہ 27 اگست، 1961ء اقتباس مشمولہ: جدید سندھی ادب، ص 469۔ اس اقتباس کے بعض اجزا یہاں پیش کیے گئے ہیں۔

۱۵۔ مقبوضہ علاقوں میں کی جانے والی اس مخصوص ترقی کی کچھ تفصیل نصیر مرزا نے مرزا قلیچ بیگ، شخصیت اور فن میں رقم کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ

> (کمشنر) بارٹل فریئر نے اپنے دورِ حکومت (1847ء تا 1859ء) میں صوبے کی انتظامی ضروریات پر بھرپور توجہ دی اور سڑکیں، پل، ڈاک بنگلے، مسافر خانے، ضلعی دفاتر کی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ انہوں نے سن 1852ء میں سندھ ڈسٹرکٹ ڈاک (Sind District Dawk) کا اجراء کر کے پورے برصغیر میں ڈاک کے ٹکٹ کی پہل کی۔ سن 1853ء میں انہوں نے سندھ کو پہلا جدید سکول دیا۔ سن 1858ء میں سندھ ریلوے کمپنی نے کراچی سے حیدرآباد تک ریلوے لائن بچھانے کا کام شروع کر دیا۔۔۔۔۔ سندھ میں پہلا کالج بھی بارٹل فریئر ہی کے عہدِ حکومت میں کراچی میں قائم ہوا۔ سندھی زبان کا موجود رسم الخط بھی بارٹل فریئر کی دلچسپی کی وجہ سے رائج ہوا۔ اور دفتری خط و کتابت کے لیے سندھی زبان کا استعمال عمل میں لایا گیا۔ انتظامیہ کی نچلی سطح پر سندھی زبان کو فروغ دیا گیا ابتدائی سکولوں کے استادوں، پٹواریوں، محکمہ انہار کے چھوٹے ملازموں پولیس کے سپاہیوں اور رفاہ عامہ کی دوسری ملازمتوں کے لیے صرف سندھی زبان کا جاننا ہی کافی سمجھا گیا۔ چنانچہ سندھ میں ایک نئی تمدنی زندگی جنم لے رہی تھی اور سندھ کے باشندے ایک انوکھی اور ترقی یافتہ دنیا سے متعارف ہو رہے تھے۔ گویا مرزا قلیچ بیگ کا ایسی ہی معاشرتی اور سیاسی پس منظر میں ذہنی ارتقا ہوا تھا۔
>
> نصیر مرزا، مرزا قلیچ بیگ، شخصیت اور فن، ص 19

۱۶۔ اقبال، دیباچہ مثنوی اسرارِ خودی، مشمولہ: مقالات اقبال مرتبہ عبدالواحد (لاہور: آئینہ ادب بار دوم، 1988ء) ص 198,197

۱۷۔ اقبال، دیباچہ، مقالات اقبال، ص 198,197

۱۸۔ اقبال، خطبہ صدارت آل انڈیا مسلم کانفرنس 1932ء، حرف اقبال ص 65

۱۹۔ مظہر جمیل نے اپنی تالیف جدید سندھی ادب، میں مرزا حبیب بیگ کے ایک مضمون کے حوالے سے مرزا قلیچ بیگ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب و آثار کی تعداد موضوع وار تفصیل کے ساتھ رقم کی ہے، کتاب مذکور، ص 574

اس ضمن میں مرزا قلیچ بیگ اپنی خودنوشت سوانح حیات 'سایو پن یا کارو پنو' میں لکھتے ہیں کہ:

ایک کتاب لکھنے کا عمل مجھے تھکا دیتا ہے اس لیے ہمیشہ تین کتابیں ساتھ لکھنا شروع کرتا ہوں۔ ایک کتاب پر

صبح کو کام کرتا ہوں، دوسری پہ دوپہر میں اور تیسری کتاب رات کے پہر تحریر کرتا ہوں۔☆
کیا یہ تخلیقی مزاج کا تلوّن ہے؟ اور اسی میں مرزا قلیچ بیگ اپنی طاقت تلاش کرتے ہیں۔ نہایت متعین طور پر فیصلہ کرنا مشکل ہے لیکن یہ بات قیاس میں آسکتی ہے کہ جب آپ کے ذہن میں مختلف اور متنوع موضوعات اور خیالات بیک وقت گردش کر رہے ہوں، یا تشکیل پا رہے ہوں اور ان کے ابلاغ کے لیے آپ پر ایک اندرونی دباؤ بھی ہو، تو ایسی صورت سمجھ میں آسکتی ہے۔

کتابیات

۱۔ قلیچ بیگ، مرزا، برگ سبز یا قرطاس سیاہ (اردو ترجمہ سایو پن یا کارو پنو) مترجم شہناز شورو (جام شورو: فیکلٹی آف آرٹس، سندھ یونیورسٹی، 2009ء) ص 103

۲۔ نصیر مرزا، مرزا قلیچ بیگ: شخصیت اور فن (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، 2006ء)

۳۔ مظہر جمیل، سید، جدید سندھی ادب، میلانات، رجحانات، امکانات (کراچی: اکادمی بازیافت، اشاعت اوّل، 2004ء)

۴۔ حیدر سندھی، ڈاکٹر، سندھی زبان وادب کی تاریخ (اسلام آباد ل: مقتدرہ قومی زبان، طبع اوّل، 1999ء)

۵۔ میمن عبدالمجید، سندھی، ڈاکٹر، سندھی ادب کی مختصر تاریخ، مترجم حافظ خیر محمد اوحدی (جام شورو: انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی، سندھ یونیورسٹی، اشاعت اوّل، 1983ء)

۶۔ لسانیات پاکستان (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع اوّل، 1992ء)

۷۔ سر مورٹیمر وہلیر، وادی سندھ اور تہذیبیں، مترجم زبیر رضوی (لاہور: بک ہوم، 2003ء)

۸۔ محمد ابراہیم جویو، سندھ کے صوفی شاعر (لاہور ل: فکشن ہاؤس، 1997ء)

۹۔ محمد اقبال، مقالات اقبال، مرتبہ عبدالواحد، سید (لاہور: آئینہ ادب، باردوم، 1988ء)

۱۰۔ محمد اقبال، حرف اقبال، ترتیب و ترجمہ لطیف احمد خان شیروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اگست 1989ء)

۱۱۔ محمد اقبال، گفتار اقبال، مرتبہ محمد رفیق افضل (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، طبع سوم، 1986ء)

۱۲۔ مجلّہ تخلیق سندھی ادب وثقافت نمبر، جلد 19، شمارہ 1-2، 1988ء، مدیر اظہر جاوید، بھگوان اسٹریٹ، پرانی انارکلی، لاہور

۱۳۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد اوّل (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع سوم، 1978ء)